اسلام ہمارے عمل کے لئے جنگ آزمائی کی ہو تو اس پر الزام کون دھر سکتا ہے۔

انسانی زندگی میں جنگ کا مقام سمجھنے کے لئے سادی شکل اس واقعہ سے رونما ہوتی ہے کہ اسلام سے قبل جو مذاہب مثلاً بدھ مت اور عیسائیت کے متعلق انسانیت کے زیادہ جتنے بھی پھیلے ہوئے تھے وہ کم از کم نظری حیثیت سے کسی مقصد یا سبب کے تحت جنگ آزمائی اور خونریزی کی ممانعت کرتے تھے۔ نہ صرف انسانی زندگی کو تلف کرنا گناہ تھا۔ بلکہ موذی جانور، جراثیم اور زہریلے حشرات تک کو مارنا بھی پاپ سمجھا جاتا تھا تمام اخلاقیت اور روحانیت کا انتہائی مقصد امن اور عدم تشدد تھا۔ مگر بدھ مت، جین مت، اور عیسائیت نے اس کا مقصد غلط سمجھا۔ بدھ مت کے بنیادی اصول ناقابل عمل ہے۔ ہر زندگی کا آنند کسی دوسری زندگی سے سر براہ کیا جا رہا ہے یا اعلاء کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ ادھوری زندگی پر گذر بسر کرے۔ جیسا کہ رومی نے کہا ہے، جملہ عالم آکل و ماکول دان۔ بدھ مت کا مقصود سلب خواہشات کے ذریعہ حیات کی نفی کرنا تھا اس میں توالد و تناسل کی خواہش بھی شامل تھی۔ اہنسا پر سختی سے عمل کرنے سے نہ صرف انسانی زندگی بلکہ کل موجودات فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ ہندوستان میں بعض فرقے ایسے ہیں جن کے پیرو اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانکے رہتے ہیں تاکہ کوئی ظاہر و پوشیدہ کیڑا یا جرثومہ داخل نہ ہو جائے۔ یہ بیچارے اس کا علم نہیں رکھتے کہ غیر شعوری طور پر یہ دن رات میں کتنے جانداروں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہ جراثیم جوں، کیڑے کوڑے، سانپ، بچھو اور دیگر تمام موذی جانوروں کو مارنا پاپ سمجھتے ہیں۔ بدھ مت اور جین مت کا اہنسا کے اصول کے موافق زندگی بسر کرنے کی یہ ایک کوشش ہے لیکن یہ فریب خوردہ مخلوق اس کا احساس نہیں کرتی کہ نباتات بھی زندگی رکھتے ہیں۔ حیوانات کے کھانے سے پرہیز کر کے پھل اور سبزی پر گذارا کرنے سے یہ ایک فرد تر زینہ پر اتر کر ایک ذی حیات ہی کو کھاتے ہیں۔ ان اصول پر چل کر انسان کوئی معقول اجتماعی نظام کر پا نہیں سکتا بلکہ وہ خود زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس کے بعد ہم عیسائیت اور عہد نامہ جدید کے دور میں پہنچتے ہیں۔ قرون اولیٰ کے عیسائی اس امر کا پکا یقین رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ نے ہر حالت میں جنگ کی ممانعت فرمائی ہے۔ حق اور ناحق لڑائی اور جارحانہ و مدافعانہ میں کوئی فرق و امتیاز نہ تھا۔ ہر قسم کی لڑائی اس نظام میں ممنوع تھی۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ حضرت عیسیٰ نے ہر قسم کے انتقام کی ممانعت کی ہے۔ برائی کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے۔ ایک سچے عیسائی کے لئے صحیح طریقہ خاموش اور پرسکون شہادت تھی، اور ظالم کے انتقام کو خدا کے سپرد کرنا تھا۔ تمام حالات میں بلاتی کر تحمل و فروگذاشت پر امتناع حضرت عیسیٰ کے مفہوم کی غلط تشریح ہے۔ اصلاح انسانیت میں محبت اور عدم تشدد بڑے کام کی چیز ہے اور حضرت عیسیٰ نے بجا طور پر اس کی تاکید کی تھی۔ لیکن یہ وہی عیسیٰ تھے جنہوں نے کسی عبادت گاہ کے صحن میں سود خواروں کے خلاف کوڑے کا استعمال کیا تھا۔ اگر یہ کچھ اور زندہ رہتے اور صورت حال ابتر ہو جاتی تو ان کے درہ کی جگہ ممکن ہے تلوار لے لیتی۔ یہ سب کچھ ہو سکتا تھا کیونکہ آپ ہی تھے جن کا ارشاد تھا کہ میں امن نہیں تلوار لایا ہوں۔ ممکن ہے آپ نے یہ لفظ استعارۃً استعمال فرمایا ہو لیکن اگر آپ کو اپنے اور اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے موت و زیست کی پیکار پر مجبور کیا جاتا تو یہ استعارے کی تلوار ممکن ہے کہ حقیقی شمشیر آہنی بن جاتی۔ کیونکہ کیا معلوم کیا ہوتا۔ آپ کے یقین و اتق کو جانچنے یا آپ کے اصول کے حقیقی مضمرات کی پرکھ کرنے کے لئے کوئی تاریخی صورت حال آپ کی زندگی میں رونما نہیں ہوئی۔ بعد ازاں جب عیسائیت دنیوی اقتدار کو سنبھالنے کے قابل ہوئی تو تاریخ شاہد ہے کہ اس نے تلوار کا کیا استعمال کیا۔

اور اس کا استعمال حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سے حق بجانب اور ان فتنائے عظم کے فتووں سے جائز قرار دیا گیا۔ جو خود محبت و صداقت کے علامت سمجھے جاتے تھے اور گمان کیا جاتا تھا کہ جائز جنگوں اور مذہبی تہذیب کے قیام کے لئے انہیں حضرت عیسیٰؑ اور روح القدس کی طرف سے فیضان ہوتا ہے۔ اب بھی عیسائیوں کے چند فرقے اور بعض عیسائی افراد ایسے ہیں جو تمام جنگوں کو ناجائز سمجھتے اور ان میں شرکت سے انکار کرتے ہیں ان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ان میں سے بعض قید کر دیئے گئے تھے۔ یہ اپنے کو معتدلانی شرعی کہتے ہیں۔

اسلام نے ایک اعتدال پسند اصول جنگ کی تبلیغ کی اور اس پر عمل کر کے دکھلایا۔ زمانۂ مابعد میں بہت سی لڑائیاں جو مسلمان حکمرانوں نے مختلف تاریخی ادوار میں لڑیں، وہ اسلامی جنگیں نہیں۔ صرف وہی لڑائیاں اسلامی ہیں جن میں آنحضرتؐ اور آپ کے فوری بعد صحابہؓ حضرت پیکار ہوئے تاکہ اسلام محفوظ و مصئون ہو اور مذہبی تہذیب و عقوبت کا قلع قمع ہو جائے۔ انسانی زندگی کا احترام اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے، اور جنگ کی اجازت صرف انسانی زندگی کی جائز حفاظت اور حقیقی اقدار کے لئے ہے انسانی زندگی کی حفاظت و احترام کے احکام سے قرآن معمور ہے۔ انسان کی زندگی کے احترام کی تعلیم میں انسان کے اجتماعی اتحاد کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ "مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (المائدہ - ۳۵)" اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا، کہ جس کسی نے سوائے اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو، کسی جان کو قتل کر ڈالا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچا لی، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔ انسان کے ناجائز قتل کو زنا کے ساتھ بیان کر کے قبیح ترین گناہوں میں سے بتلایا گیا ہے "تمام اہل ایمان! کسی کو ناانصافی سے قتل نہ کرو اور زنا نہ کرو، جو کوئی ان کا مرتکب ہوگا ضرور سزا پائے گا"
قبل اسلام عرب اپنی نو مولود لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ کیونکہ معاشری اور معاشی بوجھ سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس رواج کا سختی سے خاتمہ کیا۔ اور کل دنیا تھا اسلام ہے اس رسم کا استیصال کرایا اور یہ خطرناک جرم پھر دوبارہ متمدن دنیا میں اپنا سر نہ اٹھا سکا۔ جہاں دو آدمی لڑ رہے ہوں اور ایک دوسرے سے کسی بیہودہ جذبہ کے تحت برسر پیکار ہوں تو آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ قاتل و مقتول دونوں جہنم واصل ہوں گے آنحضرتؐ نے جب کبھی کبیرہ گناہوں کو شمار فرمایا تو اس فہرست میں ہمیشہ قتل موجود رہا۔ یہ عظیم ترین گناہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا قتل، والدین کی نافرمانی، اور جھوٹ بولنا ہے" (انس بن مالکؓ) "ایک مومن صحیح ایمان میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ کسی کا ناحق و ناروا خون نہیں بہاتا" (ابن عمرؓ)

یہ خیال ہے کہ جہاں کہیں اسلام قتل کی ممانعت کرتا ہے، وہ ہمیشہ اس کو قتل ناحق سے مشروط کرتا ہے "تو قتل نہ کر" یہ کوئی مطلق حکم نہیں ہے۔ زندگی میں بعض ایسے موقعے آتے ہیں جب کہ قتل فرض اولین ہو جاتا ہے۔ جہاں کہیں بدکار کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں فتنہ کا لفظ قرآن میں اکثر مستعمل ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"، فتنہ کا ترجمہ کسی ایک انگریزی لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ اس کے مفہوم میں امتحان، تحریص، کسی کو مشکلات میں پھانسنا، عقوبت، معاشری ظلم و زیادتی، کسی کو ناجائز دست

پر مجبور کرنا اور بجبر راہ راست پر چلنے سے روکنا صداقت سے انحراف اور باطل کاموں کے لئے غلط رہنمائی کرنا شامل ہیں۔ اکثر یہ لفظ قرآن میں فساد کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی خرابی، شورش، افتراق اور معاشرتی بدنظمی اور ناانصافی کے ہیں۔ اسلام میں قتل کی اجازت صرف فتنہ و فساد اور ظلم و زیادتی کو روکنے اور ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے ہے کہ بجائے خوف و دہشت کے امن کی حکومت قائم ہو جائے۔ آنحضرتؐ کے غزوات ان لوگوں کے خلاف تھے جو بنی نوع انسان کو ضمیر کی آزادی سے محروم کئے ہوئے تھے اور کوئی ان کی عبادات اور طریقوں کا ساتھ نہیں دیتا تھا وہ ستایا جاتا، جلاوطن کیا جاتا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود کو دولت مند بنانے کی غرض سے مفتوح کے مال و دولت کے حصول کے لئے جنگ کریں۔ تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ محض توسیع ملک یا معاشی فائدوں کے لئے جنگ کرنا ناجائز ہے۔ اور نہ اس کے لئے جنگ جائز ہے کہ دوسروں کو بجبر مسلمان کیا جائے۔ فاروق اعظمؓ کے پاس ایک عیسائی غلام تھا کبھی کبھی اس کے سامنے اسلام کی خوبی و صداقت پیش فرماتے اور مسلمان ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ ہر وقت وہ غلام قبول اسلام سے انکار کرتا تھا۔ اس کے انکار پر حضرت عمرؓ یہ جواب ارشاد فرماتے "جیسی تمہاری مرضی، کیونکہ اسلام میں جبر نہیں ہے" کیا حضرت عمرؓ جیسا شخص ان اقوام و قبائل سے جو عرب کے ساحلی اضلاع میں آباد تھیں، انہیں بزور شمشیر مسلمان بنانے کے لئے جنگ کر سکتا تھا جبکہ وہ خود اپنے غلام کے مقابلہ میں بے بس ہو چکا تھا۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۔

انسانیت کے روحانی رہنما کی حیثیت سے گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰؑ کی مثال سامنے رکھ کر ان کے بعض معتقدین اور دیگر اشخاص ہر قسم کی جنگ کی مخالفت اور روحانیت کو ایک سمجھنے لگے۔ بعض عیسائی مصنفین کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت جب تک مکہ میں مصائب جھیلتے اور تبلیغ فرماتے رہے ایک بہترین نبی تھے لیکن جب آپ نے جنگ کو اختیار فرمایا اور ایک مملکت کی بنیاد ڈالی تو آپ ایک سیاست داں اور مقنن بن گئے۔ اس لئے ایک پیغمبر نہیں رہے۔ یہ نبوت کا ایک ناقص تصور ہے کہ نبی اس وقت تک نبی رہتا ہے جب تک کہ وہ محبت، انصاف اور خیر خواہی کی بابت محض زبانی جمع خرچ کرتا رہتا ہے لیکن جس لمحہ وہ حقائق سے دوچار ہوتا ہے اور حالات کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنا شروع کرتا ہے تو وہ موجودات کی ادنیٰ سطح پر آجاتا ہے۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اعلیٰ تصورات کی تعلیم کس قدر آسان ہے اور انہیں انفرادی، اجتماعی، اور سیاسی آویزشوں میں روبعمل لانا کس قدر دشوار ہے جب تک کہ نظریات زندگی کے معاشرتی اور سیاسی الجھنوں اور سختیوں کے معیار پر نہ جانچے جائیں وہ فضا میں معلق رہتے ہیں اور محض نمونہ کمال و خوبی اور ناقابل حصول اور اے صالحہ سمجھے جا سکتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مصنف آنحضرتؐ کو تاریخ انسانیت کا زبردست پیغمبر کہتا ہے جن کو عالم انسانیت کے آگے قابل عمل نظریات پیش کرنے کا امتیاز حاصل ہے اور آپ اپنی حیات طیبہ میں اس حد تک انہیں روبعمل لا کے کہ اطمینان تام یہ فرما سکے کہ "میں نے اپنے کام کی تکمیل کر دی"۔ آپ نے مذہبی تعصبات کا خاتمہ کر دیا اور مذہب کو ہر طرح آزادی دلا دی تو اپنی تلوار نیام میں فرمائی۔ لڑو، یہاں تک کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے جس کسی نے خدا کے دین میں آنا قبول کیا خواہ اس کا مذہب کچھ ہی ہو، وہ تمہاری حفاظت میں ہے اس کی جان و مال اور آبرو کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسی کہ خود تم اپنا کرتے ہو"۔

اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم کر سکتے ہیں کہ کوئی مذہب اور تہذیب انسانی معاشرے سے جنگ کو خارج کرنے کے کبھی قابل نہیں ہو سکا ہے

یا بدھ مت یا ہندوؤں کے ویدانتی قسم کے ادیان کو اپنے عقائد کی ایسی تشریح کرنی پڑی کہ وہ حقیقت کے مطابق ہو سکیں۔ عیسائی اقوام نے دوسری انسانی جماعتوں سے زیادہ خود آپس میں اور غیر عیسائیوں کے مقابلہ میں جنگ و جدال کیا ہے اور مذہبی عقوبت اور تعصب کے لحاظ سے کوئی مذہب عیسائیت کا ریکارڈ توڑ نہیں سکتا۔ یہ تنگ نظری اور بد نہادی کی انتہا ہے کہ عیسائی مصنفین اسلام کے خلاف اس تہمت کی مسلسل اشاعت کر رہے ہیں کہ یہ ایک مذہب شمشیر ہے اور مسلمانوں کے متشدد غول اور جتھے باقی دنیا کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے قرآن در بغل اور شمشیر بکف چھوڑے گئے ہیں۔ اس قسم کا الزام یا تو تاریخ سے جہالت یا بغض و عناد کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔ اسلام کے عروج و ترقی کی تاریخ، اپنے بچاؤ کے لئے اس کی جد و جہد اور عام انسانی حقوق اور تہذیبوں کا تحفظ، ان سب کی غلط تشریح اس نوعیت سے کی گئی ہے کہ اسلام اپنے مخصوص عقائد کی نشر و اشاعت کے لئے قوت کا استعمال کرتا رہا ہے۔ ابتدا میں اسلام نے معاہدات امن کی ان قبائل کو پیشکش کی جو اسلام کو برضا و رغبت قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ قرآن عہدناموں اور صلحناموں کی پابندی پر شدت سے زور دیتا ہے۔ لیکن جب عرب قبائل نے بار بار عہدناموں کی خلاف ورزی کی اور اسلام کو عین دور عنفوان میں اس کو تباہ کرنے کے لئے باہمی اتحاد قائم کرنے کی کوششیں کیں تو اسلام کے سامنے صرف دو ہی صورتیں رہ گئی تھیں، یا تو انہیں کچل دے یا خود کچلا جائے۔ جو لوگ اسلام میں برضا و رغبت داخل ہوتے تھے وہ ایک ایسی برادری میں شرکت کرتے تھے جو بلا لحاظ نسل و قومیت ہر شہری کو کامل حریت، اخوت، اور مساوات عطا کرتی تھی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ ترک کو بھی ویسے ہی حقوق تھے جو اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو حاصل تھے۔ بعض لوگوں نے اسلام کو ایک مذہب نہیں بلکہ ایک اجتماعی سیاسی تحریک سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو کوئی تاریخ کے طالب علم سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ وہ نوع انسانی کے سارے اخبار و آثار کو کھنگال کر کسی ایسی تحریک کا پتہ چلائے جس نے عمرانی اور طبقاتی امتیازات کو بالکلیہ برخاست کر دیا ہو، اور جو دوسری اقوام کو غلامی کا نہیں بلکہ کامل مساوات کا تحفہ دیتی ہو۔ حضرت بلالؓ حبشی نژاد تھے لیکن ان کی عزت و توقیر صنادید قریش سے زیادہ کی جاتی تھی، اس کا سبب ان کی سیرت اور جان نثاریاں تھیں۔ کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ بے شک یہ اہل ایمان کی ایک برادری تھی لیکن ان کے متعلق کیا کہا جاتا ہے جو دائرہ اسلام سے باہر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام ان کے مذہب اور طریق زندگی کی کامل حفاظت کرتا تھا۔ وہی قانون کی حکومت بھی ان پر سایہ گستر تھی بلکہ ایک طرح پر تو وہ خود مسلمانوں سے بھی زیادہ بہتر حیثیت رکھتے تھے کیونکہ ان فرائض کے بغیر جو مسلمانوں پر عاید تھے، حکومت کی پوری سرپرستیاں انہیں حاصل تھیں۔ ایک ہلکے ٹیکس کے عوض حکومت پر ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داریاں عاید تھیں۔ مسلمانوں کو اپنی نامیہ دولت پر ایک گرانبار محصول ادا کرنا پڑتا تھا لیکن غیر مسلم اس سے مستثنیٰ تھے اور جب کبھی کوئی غیر مسلم اس بات کو ثابت کر دیتا کہ وہ اس محصول کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس معمولی محصول سے بھی وہ بری کر دیا جاتا تھا۔ اسلام کو ایک مذہبی استعماریت سے متہم کیا گیا ہے لیکن تاریخ کے کسی دور میں بھی کیا استعماریت کا کوئی ایسا نمونہ ملتا ہے جس میں حکمرانوں کو محکوموں سے زیادہ بار اٹھانے پر مجبور کیا ہو؛ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں۔ جہاں غیر مسلم قبائل نے اپنی حفاظت کے لئے ٹیکس ادا کیا تھا اور مسلمانوں نے جب اپنے آپ کو دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنے سے قاصر پایا تو یہ رقم انہیں واپس کر دی گئی۔ یہ ٹیکس جسے جزیہ کہا جاتا ہے غلطی سے ایک ایسا امتیازی محصول سمجھا گیا ہے، جو مملکت کے باشندوں کے درمیان ایک غیر منصفانہ فرق و امتیاز قائم کرتا تھا۔ یہ الزام پھر وہی اسلام کے نظام سیاست سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اگر اس نے کسی قسم کا فرق و امتیاز کیا ہے تو وہ خود

مسلمان علاقوں کے خلاف ہے، جزیہ ایک معاوضہ محصول ادا کرنے پر مجبور تھے اور جو مملکت کے لئے لڑائی کی خدمت بھی اپنے ذمہ رکھتے تھے
غیر مسلموں کے لئے کوئی لازمی فوجی خدمت نہ تھی۔ ایسے غیر مسلم جو فوجی خدمت انجام دیتے تھے وہ جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

جب قرآن کسی ناگزیر جنگ کی ضرورت کی تعلیم دیتا ہے تو خود اسلام سے قبل دیگر مذاہب کے تحفظ کا اظہار کرتا ہے جنگ کا جواز صرف محض اسلام کی حفاظت ہی نہیں بلکہ زمین پر امن قائم کرنا اس کا پہلا اور اولین فرض ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (الحج – ۴۰) اگر اللہ بعض آدمیوں کے ذریعے بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجد جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھا چکے ہوتے"۔ جس ترتیب کے ساتھ عبادت گاہوں کی حفاظت کا ذکر کیا گیا ہے وہ قابل لحاظ ہے اور اسلام کا منشا اور اس کے فلسفۂ جنگ کا اندازہ کرنے میں بڑی وقعت رکھتا ہے۔ مسجد کا ذکر پہلے نہیں سب سے آخر میں ہوا ہے۔ جب کبھی وحشیوں کے غول یا مذہبی متشددین دیگر قوموں پر تاخت کریں تو تمام مذہبی آزادی کے خیر خواہ لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ عبادت اور ضمیر کی آزادی کا حق، جس سے کئی دیگر شہری حقوق پیدا ہوتے ہیں، محفوظ و مصئون رہیں۔ اسلام میں کسی قوم کی عبادت گاہ کو گرانے یا اس کو نقصان پہنچانے کی سخت ممانعت ہے اور تاکید ہے کہ کسی مذہب کے پیشواؤں (مذہبی) کو قتل یا کسی طریقہ سے بھی پریشان نہ کیا جائے۔ مگر کسی مسلمان حملہ آور نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہے تو اس قصور کو اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کسی قوم کی کوتاہیاں، جو مذہب کا دعویٰ کرتی ہیں اس کے مذہب کو مورد الزام قرار نہیں دے سکتیں۔ ان کی کمزوریاں ان کے عدم ایمان کا ثمرہ ہوتی ہیں نہ کہ ان کے ایمان کا براہِ راست نتیجہ۔ کئی مقامات پر قرآن نوع انسانی کے لئے امن قائم کرنے کی غرض سے جنگ کی ضرورت کا حکم دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت ظلم و ناانصافی کی قوتیں کسی جگہ اپنا سر اٹھائیں اور امن عالم کے لئے خطرہ بن جائیں تو یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس جارحانہ کارروائی کے خلاف لڑا جائے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ – ۲۵۲)۔ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی لیکن اللہ دنیا کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔ شروع سے آخر تک جو نبرد آزمائیاں انسان کی معلوم تاریخ میں ہوتی رہی ہیں، ان کی ابتدا مختلف وجوہ سے ہوتی ہے۔ قبائل میں باہم دگر جنگ کے پیکار معاشی فائدوں، یا جذبات غضب و انتقام کی برانگیختگی، یا فاضل توانائی کے مصرف کے لئے کسی راہ کی تلاش میں ہوتی تھی۔ بڑھتی ہوئی آبادی کا دباؤ اور ذرائع معیشت میں عدم توازن کے سبب ہوا کرتی تھی۔ لیکن ابتدا ہی سے معاشی فوائد یا جسے اشتعال معاشیات پیدائش و تقسیم دولت سے تعبیر کرتی ہے کبھی بھی انسانی آویزشوں کے تنہا محرکات نہیں رہے۔ کسی قبیلے کے رکن کی اہانت، یا قتل یا اس کے مویشی کی چوری کسی جنگ یا فساد جنگی کے آغاز کے لئے کافی تھی جو ایک پوری صدی تک جاری رہتی تھی۔ اور اسلام سے قبل عرب کی قبائلی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کے برعکس ہم وحشی گروہوں کی تاخت و تاراج دیکھتے ہیں جنہیں ان متمدن باشندوں کے غارت و فتوح سے حفاظت تحریص ہوا کرتی تھی، جو شہری زندگی کی آسائشوں یا اخلاقی تنزل یا اندرونی خلفشار کے سبب ناکارہ ہو چکے تھے۔ مذہبی تعصب اور تشدد کے باعث بھی ہولناک اور ہلاکت آفریں جنگیں لڑی گئیں، جن کی نہایت شرمناک مثال صلیبی لڑائیاں ہیں، جنہوں نے یورپ اور ایشیا کو تہہ و بالا

کر دیا اور مسلمان علاقوں سے زیادہ جنہیں وہ کچلنا اور مطیع کرنا چاہتے تھے، ان علاقوں میں بدنظمی و انتشار پیدا کیا، جہاں یہ پہنچے اور جہاں یہ جنگ سے پہلے ہم شاہی خاندانوں کے لامتناہی محاربات توسیع سلطنت یا اپنے خاندانی سلسلہ کے تحفظ کے لئے دیکھتے ہیں جس میں پوری قوم سیاسی یا تسلط کی بازی میں داؤں پر لگا دی جاتی تھی اور چند اشخاص اقتدار سے چند حکمرانوں کی ہوس کشور کشائی کے باعث لاکھوں انسان تباہ اور لاکھوں گھرانے برباد ہو جاتے تھے۔

صنعتی سرمایہ داری کے عروج کے بعد سے تاریخ میں جنگ کے نئے محرکات داخل ہوئے۔ کمزور قومیں جو اپنے آپ کو صنعتی لحاظ سے منظم نہیں کر سکی تھیں، اور جو پیداوار دولت اور زیادہ تباہ کن طاقت ور آلات کے ایجاد و اختراع میں پیچھے رہ گئی تھیں، وہ انسان اشیائے خام کی فراہمی اور سامان مصنوعہ کی فروخت کے لئے محکوم بنائی گئیں۔ صنعتی مغرب نے اپنے نفع کی خاطر تمام دنیا کو غلام بنانے کا منصوبہ باندھا اور اس کے پہلو بہ پہلو نسلی و لسانی اور علاقائی قومیت کو ابھارا، اور جذبۂ وطنیت کو سرمایہ داری کے مفاد کے لئے کام میں لایا گیا۔ صنعتی سرمایہ داری اور قومیت نے خود اپنے نظام میں اپنی تباہی کے اجزاء فراہم کئے، اور اب ہم ایک ایسی انسانیت پاتے ہیں جو معاشی تصورات کی اساس پر بٹ چکی ہے جو جارحانہ اور جارحانہ اقدام کے لئے اخلاقی اور مذہبی جذبات کی تائید حاصل کر رہی ہے اور جس کے سبب دنیا ایک اور عالمگیر خونریزی کے کنارے آ لگی ہے۔

اگر تہذیب کا تعلق زندگی اور انسانی اقدار کے تحفظ و پرداخت سے ہے تو ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اسلام اس صورت حال میں کیا رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس سے قبل اسلام کے فلسفۂ جنگ کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر چکے ہیں۔ اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے اور بطور فرض کے معاشرتی نظام قائم کرنے اور باہمی کشاکشوں کو ختم کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام طبقات و جماعات کا قائل نہیں جس سے انسانیت متخالف گروہوں میں منقسم ہو جاتی ہے، نہ اس قومیت کی حمایت کرتا ہے جس کو مغرب نے ترقی دی ہے۔ جماعتوں اور قوموں کا وجود ہے اور وہ باقی رہیں گی قرآن انسانوں کی رنگوں اور زبانوں کی بوقلمونی کو خدا کی حکمتوں میں سے سمجھتا ہے لیکن انسانیت اصلاً ایک ہے: "اے افراد نسل انسانی! تم ایک وجود سے پیدا کئے گئے ہو اور قبائل تو صرف ایک دوسرے سے شناخت کیلئے ہیں" ابتدائی اصول پر جمع ہو جاؤ جو تمام انسانیت میں مشترک ہیں! اس لئے اسلام نسلیت اور قومیت کے خلاف صف آرا ہوتا ہے، اور کوئی جنگ جس کی بنا قومی تفوق و برتری ہو گی وہ سند جواز حاصل نہ کر سکے گی۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام نے صرف دفاعی جنگوں کی اجازت دی ہے، اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اس وقت تک انتظار کرو جب تک کہ واقعتاً تم پر حملہ نہ کیا جائے تو یہ اسلامی حقیقی اصول کی غلط تعبیر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جنگ انسان کے اصلی حقوق کی مدافعت میں اختیار کی جائے۔ "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة" لڑو یہاں تک کہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو جائے اور مذہبی آزادی کا قیام عمل میں آ جائے۔ اگر تم یہ دیکھ رہے ہو کہ دشمن تمہیں تباہ کرنے کے لئے تیاریوں میں مصروف ہے قبل اس کے کہ وہ تمہارے لئے قوی ثابت ہو، اسے کچل دینا چاہیئے۔ اسلام اپنے متبعین کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ انسانیت کے خلاف قوت آزمائی کے لئے کمربستہ رہیں، مگر تمام کوششیں اس امر پر مبذول ہونی چاہئیں کہ مختلف قوموں میں باہم امن و امان برقرار رہے، اس صورت حال میں ہر وقت پیکار کا احتمال رہے گا۔

عالمی اقوام کے اصول کو بھی قرآن نے پیش کیا ہے۔ تمام قوموں کو تمام طرح مثل اعضائے جسم کے زندگی بسر کرنی چاہیئے، ہر شخص کو

[illegible] زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیئے خواہ کوئی قوم اخلاقی اور ذہنی حیثیت سے کتنی ہی فوقیت رکھتی ہو اس کو اختیار نہ ہو
کہ مکمل طریق زندگی دوسری قوم پر بجبر عاید کرے۔ دنیائے قدیم میں مذہب تمام زندگی پر حاوی تھا۔ اور جب قرآن اس اصول کا اعلان کرتا ہے
کہ مذہب کے معاملہ میں کوئی جبر نہ ہونا چاہیئے، تو یہ اس کہنے کے مرادف ہے کہ افراد اور اقوام اپنے طریق پر چلنے کے لئے آزاد چھوڑ دیئے جائیں۔
بشرطیکہ وہ کسی اجتماعی انتشار اور اذیت رسانی کا موجب نہ بنیں۔ یہ تمام انسانی جماعتوں کے لئے ایک منشور آزادی ہے، جو شاہ جان کے منشور
سے زیادہ جامع منشور تھا جس پر اب تک نے دستخط کئے ہیں اس سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔ اسلام کی رو سے ہر متمدن قوم کو بطور
صلح و امن کے اصول کے یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ جہاں کہیں بے بس اور کمزور پر ظلم و زیادتی ہو، مخلص اور راست باز جماعتیں ظالم کو کچلنے کے لئے کھڑی
ہو جائیں۔ اسلام میں خدا کی راہ میں لڑنے کا مطلب حق و انصاف کے لئے لڑنا ہے۔ اس کا مطلب کسی مذہبی عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے
لڑنا نہیں ہے۔ بے شمار مقامات پر قرآن کہتا ہے کہ تمہیں ظلم اور حقوق کی پامالی کے خلاف لڑنا چاہیئے اور یہ مقابلہ اس وقت تک جاری رہنا
چاہیئے جب تک کہ ظلم و زیادتی موقوف نہ ہو جائے اور لوگ اپنی پسند کے مطابق اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے میں آزاد نہ ہو جائیں۔ وَمَا لَكُمْ
لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ
هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ج وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ج وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (النساء - ۷۵)
"اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے، حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جو ظالموں کے
ظلم و تشدد سے عاجز آ کر فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا! اور اپنی طرف
سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے، اور اپنی طرف سے کسی کو ہماری مددگاری کے لئے کھڑا کر دے!" اس آیت سے اس امر کی صاف وضاحت
ہوتی ہے کہ خدا کی راہ میں لڑنے کا کیا مطلب ہے۔ یہ کسی دنیاوی رمز یا کسی مابعدالطبعی عقیدہ کے لئے جنگ آزمائی نہیں ہے یا خدا انسان کی
طرز پرستش کا معیار ہے۔ یہ حق و انصاف کا قائم مقام ہے۔ صرف باہمی عدل و توسط کے لئے اسلام لڑنے کا حکم دیتا ہے اور کسی دوسرے مقصد
کے لئے جنگ کرنا غیر اسلامی متصور ہوگا۔

(مترجمہ قطب الدین)

حکمت رومی

مصنفہ: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قیمت: تین روپے

دین فطرت

مصنفہ: محمد مظہر الدین صدیقی

قیمت: ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ - لاہور